قیادت کی عسکری وسیاسی حکمت عملیوں کا جائزہ سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں

Military and political strategies of leadership: A Study in the light of Seerah of the Prophet (PBUH)

ڈاکٹر راشدہ پروین*

ABSTRACT:

The military and political strategies are evolved with the passage of times and the development of science and technology. But the modern and highly advanced strategies of wars or defense and security are still lacking the spirit, techniques, principles, balanced and justified ways of Islamic wars happened over 1400 years back. The human casualties in Islamic wars are such a small in numbers that could be counted in few hundreds as compared to millions of human losses in Western wars. Besides the land and areas conquered by the Islamic group within short period of 10 years was over 3 million square kilometers with the average of 900 kilometers a day. During the entire decade even a couple of enemies of the group were not killed in an average of a month while the total recorded causalities of 200 to 300 Muslims were such negligible numbers that the history could not present its example proving that the military and political strategy of Islam framed and guided by the Prophet (PBUH) were the best in the world at every level. Islam is basically a religion of peace and it does not allow shedding of blood of innocent people at any cost. However sometimes the Muslims were compelled to unleash their swords against some tyrants in self-defense and they won the battle fought so far by them. The reason was the sanity and divine capability of the leadership of the time, the Prophet (PBUH).

Key Words: Seerah, Military Strategies, War, Defense, Security.

اسلام کی تاریخ دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ قبل از اسلام زمانہ کے مقابلے میں ظہور اسلام کے ساتھ کچھ ہی دنوں میں خون بہانے کا سلسلہ کافی حد تک رک گیا معمولی معمولی باتوں پر لڑنا بھڑنا بھی ذرا تھم گیا یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اسلام نے بعض مواقع پر مجبوری کے تحت اپنے دفاع کے لئے جنگیں لڑنے کی اجازت دی جس کے نتیجے میں غزوئہ بدر واحد جیسی جنگیں واقع ہوئیں اور تاریخ گواہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی سپہ سالاری میں جو بھی غزوات ہوئے ان میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جب ہم دین اسلام کی سربلندی کیلئے لڑی گئی جنگوں کا موازنہ تاریخ کی دوسری جنگوں سے کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی اختیار کی گئی دفاعی، عسکری وسیاسی حکمت عملیوں کے باعث کم سے کم نقصانات کے ساتھ کس حد تک بڑے اہداف کا حصول ممکن ہو سکا۔ اگر دوسری جنگ عظیم میں

*Assistant Professor, Women University, Mardan.
Email: drrashida@wumardan.edu.pk

امریکہ اور جاپان کی جنگ پر نظر دوڑائیں تو اندازہ ہوگا کہ امریکہ کی طرف سے ہیروشیما (جاپان) پر ایک چھوٹا ایٹم بم پھینکا گیا اور ٹھیک تین دن بعد دوسرا بم ناگاساکی پر پھینکا گیا۔ ہیروشیما میں ستر ہزار انسان آنِ واحد میں ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے جبکہ ناگاساکی میں تیس ہزار افراد ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ ان دونوں شہروں پر گرائے جانے والے بموں کی ہلاکت خیزی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ ان میں ایک بم یورینیم 235 اور دوسرے پلوٹونیم 239 کی توانائی 335000 پونڈ دھماکہ خیز مواد کی توانائی کے برابر تھی۔[1]

دور جدید میں میزائل حملے، فضائی حملے اور حالیہ دور کے ڈرون اسٹرائک میں بھی یکبارگی حملے میں درجنوں، سینکڑوں جانوں کا کسی فرق اور تمیز کے بغیر زیاں ہوتا ہے جنگ اور عسکری جھڑپوں کا نام سنتے ہی ذہنوں میں تباہی اور انسانی جانوں کا بے دردی سے زیاں اور تباہ کاریوں کا تصور واضح ہونے لگتا ہے۔ دور حاضر جیسے مئورخ سولائزڈ ورلڈ/سوسائٹی گردانتے ہیں میں انسانی جان ومال کی بے وقعتی اور زیاں تشویشناک ہے۔ جبکہ پیغمبر امن ﷺ کی جنگوں میں انسانی جانوں کی ہلاکتوں کو بآسانی انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ جنھوں نے سیرت کے حوالے سے بہت کام کیا اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"(دین اسلام کی سربلندی کے لئے لڑی گئی جنگوں میں) اسلحہ کا استعمال اور خونریزی عملی طور پر نہ ہونے کے برابر تھی۔ سپہ سالار اعظم حضرت محمد ﷺ نے مدینہ منورہ آنے کے بعد ہی (مشرکین کے خلاف) جنگ شروع کی اور 10 سال بعد نبی ﷺ اس دار فانی سے تشریف لے گئے۔ اس دہائی میں تیس لاکھ مربع کلو میٹر سے زائد علاقہ فتح ہوا یعنی دس سالوں میں اوسطاً 900 کلو میٹر علاقہ روزانہ فتح ہوا۔ اور ان جنگوں کے دوران ہر ماہ دشمن کے دو افراد بھی ہلاک نہیں ہوئے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان حتیٰ کہ اس سے بھی کم تھا۔ لاکھوں مربع کلو میٹر علاقے کی فتح کے دوران دو سے تین سو افراد کا میدان جنگ میں مارا جانا دنیا کی تاریخ میں غیر معمولی اور بے مثل واقعہ ہے"[2]

دفاع وسلامتی کی غرض سے نبی ﷺ نے جن امور کی طرف ہمیشہ توجہ فرمائی ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

سرحدوں کی حفاظت:

آپ ﷺ جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو دفاعی حکمت عملی کے سبب سب سے پہلے سرحدوں کی حفاظت کی جانب توجہ مبذول فرمائی۔ کیونکہ نبی ﷺ اچھی طرح باخبر تھے کہ قریش مکہ نبی ﷺ کا پیچھا کرتے ہوئے مدینہ تک پہنچ جائیں گے لہٰذا آپ ﷺ نے اردگرد بسنے والے قبیلوں سے معاہدات ترتیب دیئے آپ ﷺ صفر 2ھ میں ساٹھ مہاجرین کے ہمراہ مقام ابواء تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے اور ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو کہ ایک وسیع قصبہ پر محیط ہے نیز یہاں قبیلہ مزینہ آباد ہے۔ اور یہ علاقہ مدینہ سے تقریباً 8 منزل کے فاصلے پر ہے اور مدینہ کی اخیر سرحد ہے۔ لہٰذا "اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا اور یہ نواح ان کی حدود حکومت میں داخل تھے۔ یہاں آپ ﷺ نے چند روز قیام کرکے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا۔ جن کا سردار

مخشی بن عمرہ ضمری تھا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ تھے۔

هذا كتاب من محمد رسول لبني ضمرة فانهم آمنون على اموالهم وانفسهم وانّ لهم النصر على من رائهم الّا ان يحاربوا في دين الله مابل بحر صوفة وان النبيّ اذا ادعاهم لنصروه اجابوه الخ۔[3]

ترجمہ: یہ محمد رسول ﷺ کی تحریر ہے بنو ضمرہ کے لئے ان لوگوں کا جان ومال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر ﷺ جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔

جمادی الثانی یعنی اس واقعے کے تیسرے مہینے آپ ﷺ دوسو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا یہ مقام مدینہ سے نو منزل پر ینبوع کے نواح میں ہے۔ بنو مدلج بنو ضمرہ کے حلیف تھے چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے آسانی سے یہ شرطیں منظور کرلیں۔[4]

اس کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب اسلامی سلطنت کی سرحدیں بہت وسیع ہو گئیں تو باقاعدہ فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں، تاکہ مکمل طور پر دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لیا جاتا رہے۔

بہترین سپہ سالار کا انتخاب:

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فتح اور شکست کا سبب کئی عوامل بنتے ہیں جس میں سپہ سالار کا کردار بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ قائد کی برمحل ہدایات جنگ کا نقشہ بدل دیتی ہیں جیسا کہ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں صحابہ کرام کے قدم لڑکھڑا گئے تھے اس کے باوجود نبی ﷺ ثابت قدم رہے اور قائدانہ صلاحیتوں کے باعث بگڑتی ہوئی صورتحال کو سنبھال لیا۔ حتیٰ کہ غزوۂ احد میں آپ ﷺ زخمی ہونے کے باوجود صحابہ کرام کو ثابت قدم رہنے کی ہدایات دیتے رہے اور خود بھی دشمنوں کا مقابلہ ڈٹ کر کیا۔ اسی طرح غزوۂ حنین کے بارے میں حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو دشمن کی ہر یلغار پر ثابت قدم پایا۔ لٰہذا بہترین قائد میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ اچانک حملے پر یا ناموافق حالات میں بھی ایسے اقدام اٹھائے جس سے بھرپور فائدہ ہو۔ اس کے علاوہ بہترین سپہ سالار کے اندر یہ خصوصیت بھی ہونی چاہیے کہ جب وہ اپنی فوج میں سے کسی کو کوئی ذمہ داری سونپ رہا ہے تو وہ شخص اس کا اہل بھی ہو۔

سپہ سالار کا چناؤ کرتے ہوئے اپنے ملک کی سلامتی کو مد نظر رکھنا ضروری ہے اگر کسی کے اصرار پر، پسند یا ناپسند کی بنیاد پر، خونی رشتے کی بنیاد پر یا لالچ وطمع کی بنیاد پر انتخاب کیا گیا تو اس ملک کی دفاع وسلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

میدانِ جنگ میں موزوں جگہ کا انتخاب:

آپ ﷺ کے دور کی جنگیں چونکہ دوبدو یا دست بدست لڑی جاتی تھیں اس لئے میدانِ جنگ میں سطح زمین کی حالت

افواج کی کارکردگی پر کافی حد تک اثرانداز ہوتی تھی جیسا کہ بدر میں مسلمان لشکر کی صف بندی جس جگہ کی گئی وہ مناسب تھی جبکہ کفار کا لشکر جس جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا وہ بدولڑائی کے لئے ہرگز موزوں نہ تھا جیسے طبری میں مذکور ہے:

"یہ وادی بہت نرم اور دھنسنے والی تھی رسول ﷺ اور صحابہ کرام کی قیام گاہ میں صرف اتنی بارش ہوئی کہ مٹی بیٹھ گئی، زمین سخت ہوگئی جوان کے چلنے میں مزاحم نہیں ہوئی اس کے برخلاف قریش کی قیام گاہ میں اس قدر شدید بارش برسی کہ کیچڑ کی وجہ سے وہ رسول ﷺ کے مقابلہ پر اسی وقت اپنے مقام سے نہ نکل سکے۔"[5]

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اُحد کے دامن میں ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا کہ اُحد کا پہاڑ آپ ﷺ کی پشت پر تھا کیونکہ "سامنے مدینہ تھا اور پیچھے اُحد کا بلند و بالا پہاڑ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حدِ فاصل بن گیا۔"[6]

لہٰذا آپ ﷺ کا ایسی جگہ کے انتخاب سے مسلمان لشکر کو اطمینان حاصل ہوگیا کہ اب دشمن پشت سے حملہ آور نہیں ہو سکتا چونکہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی سو عین ممکن تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کو سامنے کی طرف سے مشغول رکھا جاتا اور ایک گروہ پشت سے حملہ آور ہو جاتا۔

قائد میں یہ صفت بھی موجود ہونی چاہئے کہ بہتر جگہ کے انتخاب کے ساتھ اپنی جگہ کا انتخاب ایک ایسی جگہ کرے جہاں سے اسے پورا میدان جنگ نظر آئے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے غزوہ احد میں عریش ایسی جگہ نصب فرمایا جہاں سے پورا میدان جنگ نظروں کے سامنے تھا اور آپ ﷺ وہاں سے ہدایات جاری فرما رہے تھے۔ لہٰذا پڑاؤ کے لئے ایک اُونچی جگہ منتخب فرمائی تھی۔[7]

اسی طرح قائد کو یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہئے کہ شکست کی صورت میں ایک متبادل جگہ موجود ہو تاکہ بہ وقت ضرورت اپنا پڑاؤ تبدیل کرنے میں آسانی ہو۔ غزوئہ احد میں بھی جب ابن قمیہ نے یہ افواہ پھیلادی تھی نعوذ باللہ نبی ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں۔[8] تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے جبکہ دوسری جانب نبی ﷺ نے نقشہ جنگ فوراً بدل دیا تھا اور پہاڑی کے بلند مقام پر تشریف لے گئے، جہاں پہنچ کر صحابہ کرام کو اپنی جانب بلوایا اس طرح بکھرے ہوئے مسلمان محفوظ مقام پر اکھٹے ہوگئے لہٰذا بہترین جگہ کے انتخاب کے باعث ہی مسلمانوں کو شکست نہ اٹھانی پڑی۔

علاقہ جنگ سے مکمل واقفیت:

علاقے کی طبعی اور جغرافیائی صورتحال سے باخبر ہونا چاہئے تاکہ ممکنہ اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے سے ہی تیار رہیں۔ ساتھ ہی اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ دشمن کے اتحادی جن علاقوں میں رہتے ہیں وہ میدان جنگ سے کتنے فاصلے پر ہیں ان معلومات سے جنگ کے دوران ہونیوالی اچانک تبدیلیوں سے نبردآزما ہونا آسان ہوتا ہے، جیسا کہ غزوہ احزاب میں نبی ﷺ کو یہودیوں کے گروہ بنو قریظہ سے خدشہ لاحق تھا کہ یہ عین وقت میں مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کر دیں اور ایسا ہی ہوا بنو قریظہ معاہدہ توڑ کر دشمنوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اس کی تصدیق کے لئے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، عبد اللہ بن رواحہ

اور خوات بن جبیر کو روانہ کیا انہوں نے واپس آکر جب بنو قریظہ کی بدعہدی کی خبر سنائی تو آپ ﷺ نے فوراً مستورات کو محفوظ مقام پر روانہ فرمایا۔"مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے حضرت سلمہؓ بن اسلم 200 آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔"[9]

اطاعت امیر:

ارشاد باری ہے کہ:

مَنۡ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللهَ وَمَنۡ تَوَلَّى فَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيظًا[10]

ترجمہ: جس نے اطاعت کی رسول ﷺ کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر"

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ اس طرح سے ہیں: ''جس نے میرا حکم مانا اس نے اللہ کا حکم مانا، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جو امیر کا حکم مانتا ہے گویا وہ میرا حکم مانتا ہے، اور امیر کی نافرمانی کرتا ہے گویا وہ میری نافرمانی کرتا ہے اور بیشک امام تو ڈھال کی طرح ہے کہ اس کے پیچھے لڑتے ہیں اور اس کی پناہ لیتے ہیں اگر وہ اللہ سے ڈرتے ہوئے کوئی حکم دے اور انصاف کرے تو اس کا اسے اجر ملے گا اور اگر اس کے برعکس کریگا تو اس کا وبال انہی پر ہوگا۔''[11]

اطاعت کسی جنگی معرکے میں کامیابی کا ایک بنیادی ستون ہے ویسے تو زندگی کے ہر شعبے میں امیر کی اطاعت لازم ہے لیکن جنگ کی خاص حالت میں اس کی ضرورت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت کے حالات امن کے حالات سے خاصے مختلف ہوتے ہیں۔ فوج کو قائد کی ہدایات کا پوری طرح سے پابند ہونا چاہئے اگر فوج کو من مانی کی اجازت دے دی جائے گی تو ناحق قتل، لوٹ مار، گھروں میں حملے اور عورتوں کی عصمتیں محفوظ نہ رہیں گی۔ عام حالات میں اگر کوئی فرد یا گروہ امیر کے کسی حکم کی نافرمانی کرے تو ممکن ہے کہ بظاہر تو اس کا کوئی نقصان نہ ہو لیکن حالتِ جنگ میں ذراسی بھی غفلت اور کوتاہی جنگ کا نقشہ تبدیل کرسکتی جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اور صدیوں تک قوم اس کوتاہی کے نتیجے میں اٹھائی جانے والی ہزیمت کو بھلا نہیں سکتی۔

غزوہ اُحد کے موقعے پر نبی ﷺ نے پچاس آدمیوں کو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں ایک درے پر مقرر فرمایا تھا، جب جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کو غلبہ ہو گیا تو کفار میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے تو اس صورتحال میں ان پچاس آدمیوں میں سے بعض نے کہا جنگ ختم ہو گئی ہے ہمیں مالِ غنیمت جمع کرنا چاہئے لیکن عبداللہ بن جبیر اور دیگر نو اصحابؓ کی رائے یہ تھی کہ چونکہ ہمیں رسول ﷺ نے درہ نہ چھوڑنے کی سخت تاکید فرمائی تھی لہذا ہمیں اسی جگہ رہنا چاہئے۔[12]

یہ واقعہ اسلامی جنگوں میں وہ واحد واقعہ ہے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور اس میں کہیں بھی حضور ﷺ کی حکمتِ عملی میں نقص نہیں ہے بلکہ یہ ان افراد کی انفرادی غلطیاں تھیں جس کا نتیجہ جنگ میں شریک تمام مسلمانوں کو بھگتنا پڑا

لہٰذا اس غزوئہ کے بعد میں رونما ہونیوالے غزوات میں اس قسم کی غلطی مسلمانوں سے سرزد نہیں ہوئی اور مسلمانوں نے حضورﷺ کی ترتیب دی ہوئی حکمتِ عملیوں پر ہی عمل پیرا ہونے کی کوشش کی۔اس جنگ سے قطعِ نظر کسی بھی جنگ میں پہلے سے مرتب شدہ حکمتِ عملی پر عمل کرنے میں، اگر جنگ میں شریک کسی بھی فرد، فوج یا چند نوجوانوں نے اپنی سمجھ کے مطابق فیصلے کرنا شروع کردیئے تو اس جنگ میں نقصانات کا احتمال زیادہ ہوتا ہے، فیصلہ ہمیشہ اجتماعی اور مرکزی ہونا چاہیئے۔اسی وجہ سے دنیا میں تمام ممالک کی افواج میں تنظیم (Discipline) کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔سربراہ کی پیروی اور احکامات کو منِ وعن ماننا ہی اس شعبے میں تنظیم کا ظاہر کرنا ہے۔اپنے عہدوں، منصب اور تجربات میں بہتر شخص کی پیروی کو فوجی قوانین وروایات میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

دشمن کی نقل وحرکت سے آگاہ رہنا:

دفاع وسلامتی کیلئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو دشمن کی نقل وحرکت سے آگاہ رکھا جائے، لہٰذا معلومات حاصل کرنے کیلئے جن گروہوں کو بھیجا جاتا ہے اسے طلایہ گردی کہتے ہیں، طلایہ گردی سے مراد ایک ایسا گروہ جو دشمن کی تعداد ان کے پاس موجود سامان حرب، اسلحہ، اور ان کی نقل وحرکت کے ساتھ ترتیب دیئے گئے منصوبوں کا پتہ بھی لگائیں ایسے دستوں کو اردو میں طلایہ گردی یا جاسوسی دستے کہتے ہیں، نبیﷺ ایسے دستے وقتاً فوقتاً روانہ فرماتے تھے اور روانگی سے قبل سختی سے ہدایت کی جاتی تھی کہ دشمن کے ساتھ لڑائی کی نوبت نہ آئے اور جنگ میں الجھنے سے حتی الامکان بچا جائے اور صرف معلومات اکھٹی کرکے واپسی کی راہ لی جائے۔جیسا کہ آپﷺ نے سات صحابہ پر مشتمل سریہ کو عبداللہ بن جحش کی قیادت میں روانہ کرتے ہوئے ایک خط دیا اور ہدایت کی کہ اسے مقام بطن پر پہنچ کر پڑھنا عبداللہ بن جحش نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسی مقام پر اسے پڑھا خط کا متن تھا کہ مقام نخلہ پر پہنچ کر قریش مکہ کی جاسوسی کی جائے۔لہٰذا دفاعی غرض کے لئے جاسوسی کی جانی چاہیے تاکہ دشمن کے اچانک حملے سے محفوظ رہا جاسکے۔

فوج میں نظم وضبط، استقامت اور حوصلہ پیدا کرنا:

قائد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی فوج کے اندر نظم وضبط، حوصلہ اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہمت پیدا کرے جب ہر فوجی کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوجائیگا تو وہ میدان جنگ سے بھاگ کر راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ ملک کی خاطر سیسہ پلائی دیوار بن کر لڑے گا۔یہی صفات نبیﷺ نے اپنے صحابہ کرام میں پیدا کی تھیں جس کے باعث دس سال کے قلیل عرصے میں 30 لاکھ مربع کلومیٹر سے زائد علاقہ کی سرزمین پر اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا تھا۔لیکن جو لوگ بزدلی دکھائیں گے ان کیلئے سخت عذاب کی وعید بھی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ[13]

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم مقابلہ کرو کافروں کے لشکرِ جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔اور جو

پھیرے گا ان کی طرف اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا پلٹ کر آنیوالا ہو اپنی جماعت کی طرف تو وہ مستحق ہو گا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔

مسلمانوں کو ہر میدان میں ہمت و حوصلہ کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے اور حوصلہ ایک خاص ذہنی کیفیت کا نام ہے اور اس کا انحصار نفسیاتی عوامل پر ہوتا ہے۔ فیلڈ مارشل سر ولیم سلم نے حوصلے کی تعریف اس طرح کی ہے :

"حوصلہ ایسی ذہنی کیفیت اور ایسی عظیم قوت کا نام ہے، جو افراد کے ایک گروہ کو کسی مقصد کے حصول کیلئے آخری قطرہ خون تک بہا دینے پر آمادہ کر دیتی ہے یہ پرواہ کئے بغیر کہ انہیں اس کی کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ اور وہ یوں محسوس کرتے ہیں جیسے وہ ایسے کل کا جز ہیں جو ان کی اپنی ذات سے برتر اور اہم تر ہے۔ اگر انہیں یہ احساس ہو جائے کہ یہ حوصلہ ہی قوت برداشت پیدا کرتا ہے کیونکہ حوصلہ نام ہی برداشت کا ہے اور اس کی بہت مضبوط روحانی، ذہنی اور مادی بنیادیں ہوتی ہیں اس میں سب سے زیادہ اہمیت روحانی بنیادوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ روحانی بنیاد پر ہی حقیقی معنوں میں کسی سختی کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر ذہنی بنیادیں ہیں کیونکہ انسان جذبات کے علاوہ دلیل سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ آخری درجہ مادی بنیادوں کا ہے یہ آخری لیکن اہم درجہ ہے کیونکہ حوصلے کی بلندیوں کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب مادی وسائل تقریباً ناپید ہوں۔"[14]

جب فوج استقامت اور صبر و حوصلے کا دامن نہ پکڑے گی تو اس کا حال بھی جنگ عظیم اول میں فرانس کی شکست جیسا ہو گا۔ اکثر دفاعی مبصرین کی رائے ہے کہ فرانس (1939-45ء) کی جنگ عظیم میں محض اس لئے شکست کھا گیا کہ فرانسیسی سپاہی آرام طلب، عیش پسند اور پست حوصلہ تھے اور خود اعتمادی کے جوہر سے تہی مایہ تھے۔[15]

جدید آلات حرب وضرب:

ملکی دفاع کے لئے جدید آلات حرب وضرب کا ہونا بھی ایک اہم حکمت عملی ہے کیونکہ جب فوج کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ جدید جنگی آلات سے مسلح ہیں تو وہ ایک حد تک پر سکون ہوتے ہیں۔ اس طرح نا صرف فوج کے اندر اعتماد بڑھتا ہے، بلکہ دوسری قومیں بھی اس فوج کے ملکی حقوق ومفاد، اس کی حکومت، تجارت اور ساتھ ساتھ اس کی سرحدوں کا احترام بھی کرتی ہیں۔ جنگی آلات کی موجودگی ہی فتح کی ضامن نہیں ہوتی بلکہ فوج کی افرادی قوت بھی فتح کا سبب بنتی ہے، لہذا امن کے زمانے میں فوج کو جنگی مشقوں کی تربیت دینی لازم ہوتی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کے دور میں ہی مستقل فوج کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔

مملکت اسلامیہ کی دفاعی ضروریات میں اضافے کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی "کافی تعداد" پر جہاد فرض کیا گیا لیکن اگر کسی مہم کے لئے زیادہ تعداد میں فوج کی ضرورت پڑتی تو رضا کاروں کے لئے اپیل کی جاتی تھی۔ اس طرح ضرورت کے مطابق فوج کی تعداد پورا ہونے میں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ نتیجتاً نہ صرف یہ کہ کافی وقت گزر جاتا بلکہ پریشانی بھی اٹھانا پڑتی تھی۔ لہذا آپ ﷺ کے دور ہی میں مستقل فوج کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔[16] نبی ﷺ کے دور میں صرف فوج کی بنیاد ہی نہ رکھی گئی بلکہ آپ ﷺ خود تربیتی میدان

میں تشریف لے جاتے اچھی کارکردگی دکھانے والے کی نہ صرف حوصلہ افزائی فرماتے بلکہ اسے انعام سے بھی نوازتے تھے۔

"فوجی تربیت کی ہر لحاظ سے قدر وافزائی اور حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ محمد رسول ﷺ بذات خود گھڑ دوڑ کے میدان میں تشریف لے جاتے تھے اور جیتنے والوں میں انعامات تقسیم فرماتے تیر اندازوں کو نشانہ بازی کی مشق کرائی جاتی۔ پتھر پھینکنے کی تربیت اور اسی طرح کے دوسرے جنگی فنون میں نوجوانوں کو مہارت دلانے کے موقع پر رسول ﷺ کی موجودگی ان کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث بنتی۔"[17]

پہلی دفاعی جنگ میں نبی ﷺ کے پاس کم وبیش 313 افراد، دو گھوڑے جو کہ ایک حضرت زبیر بن عوام کا اور دوسرا حضرت مقدادؓ بن اسود کندی کا جبکہ اونٹ کی تعداد ستر تھی اس طرح ہر اونٹ پر دو، دو یا تین، تین افراد سوار ہوتے تھے اسکے علاوہ تیروں کی تعداد کا اندازہ نبی ﷺ کی اس ہدایت سے لگایا جا سکتا ہے کہ "جب مشرکین جمگھٹ کر کے تمہارے قریب آجائیں تب ان پر تیر چلانا اور تیر بچانے کی کوشش کرنا"[18] یعنی سامان حرب اتنی کم تعداد میں موجود تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب نبی ﷺ کو اندازہ ہو گیا کہ مشرکین انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں تو اپنی فوج کے ساتھ ساتھ آلات حرب وضرب میں بھی اضافہ کرنا شروع فرمایا یہاں تک کہ غزوۂ طائف میں جب حنین سے شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف میں آکر پناہ گزین ہو گیا، یہاں تک کہ لڑائی کا پورا سامان سال بھر کا راشن اور وافر مقدار میں پانی کا ذخیرہ فراہم کر لیا اور قلعہ بند ہو کر مدافعت کی تدبیریں شروع کر دیں ساتھ قلعہ کی مرمت جہاں سے ضروری تھی کرنا شروع کر دی۔۔

آپ ﷺ غزوہ خیبر میں یہودیوں کے قلعوں کے محاصرے کا تجربہ کر چکے تھے اور یہودی جاسوسوں کے ذریعہ قلعہ شکن آلات سے نہ صرف باخبر ہو چکے تھے بلکہ قلعہ شکن آلات سے نہ صرف باخبر ہو چکے تھے بلکہ "حصن صعب اور الشق میں غنیمت کے طور پر حاصل شدہ قلعہ شکن آلات کو حصن البر کے شدید مقابلے کے وقت استعمال بھی کر چکے تھے" لہذا آپ ﷺ نے اس جنگ میں جب مدمقابل کو جدید آلات حرب وضرب سے مسلح پایا تو اندازہ لگا لیا کہ اب ان کا مقابلہ تیروں یا تلواروں سے کرنا ممکن نہیں لہذا چند قابل افراد کو حربی آلات کی ترتیب کے لئے جرش روانہ فرمایا اور وہ چند ہی دنوں کے اندر انا آلات کا استعمال سیکھ کر واپس لوٹے۔ وہ آلات جو محاصرے میں استعمال ہوئے درج ذیل تھے:

منجنیق: گوپھن، فلاخن ایک ایسا آلہ جس سے پتھر پھینکا جاتا ہے۔

عرّادہ: یہ آلہ بھی پتھر اور دوسری چیزیں پھینکنے میں استعمال ہوتا تھا خصوصاً قلعہ بند لوگوں پر استعمال کیا جاتا تھا عَرَّ وَ سے بمعنی پتھر دور پھینکنا۔

ضبوّر: لکڑی کی بنی ہوئی کوٹھری جیسی چیز جس پر کھال منڈھی جاتی تھی اور اس کے اندر فوجی داخل ہو کر قلعہ کے قریب پہنچ سکتے تھے اور پھر دیوار کو منہدم کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔

دبّابہ: ضبوّر ہی کے آئیڈیا کا ایک زیادہ ترقی یافتہ حربی آلہ تھا جس میں لکڑی کا ایک ایسا برج ہوتا تھا جس کے اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور یہ برج ایک پہیے دار پلیٹ فارم پر نصب کر دیا جاتا تھا۔ برج کو محفوظ بنانے کے لئے اکثر اوقات چمڑے سے ڈھانکتے تھے اس برج میں سنگ اندازوں، تیر اندازوں اور بقب زنوں کو بٹھا دیا جاتا تھا اور قلعہ کی دیوار میں نقب لگانے کے آلات بھی رکھ لئے جاتے تھے اس پورے متحرک سٹ (موبائل سٹ) قلعے کی جڑ میں پہنچ کر دیوار توڑ کر تیر اندازی کی جاتی تھی۔[19] یعنی تیروں کے مقابلے میں یہ جدید حربی آلات تھے جنہیں بوقت ضرورت استعمال کیا گیا۔

حملے میں پہل نہ کرنا:

آپ ﷺ نے جتنی بھی جنگیں لڑیں وہ دفاعی تھیں جن کا ذکر پچھلے ابواب میں کیا جا چکا ہے یعنی نبی ﷺ نے خود سے حملے میں پہل کرنے سے منع فرمایا اور خود اس کا عملی نمونہ پیش کیا، حتیٰ کہ مشرکین، یہود و نصاریٰ اور انصار میں سے بھی کچھ لوگ آپ ﷺ کی جان کے دشمن تھے اور آپ ﷺ کو ختم کرنے کیلئے مدینہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے تھے ان حالات کے باوجود آپ ﷺ نے جنگ میں پہل کرنے سے منع فرمایا اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت فرمائی کہ جب کبھی مخالفین سر تسلیم خم کر لیں، صلح کیلئے ہاتھ بڑھا دیں، ہتھیار ڈال دیں، منتشر ہو جائیں، فرار کا راستہ اختیار کر لیں یا مقابلے کیلئے میدان میں ہی نہ اتریں تو تم بھی ہاتھ روک لینا کیونکہ اسلام امن و عافیت کا مذہب ہے حتیٰ کہ اہلِ عرب کا قاعدہ تھا کہ راتوں کو جب لوگ بے خبر سو رہے ہوتے تو اچانک جا پڑتے تھے آپ ﷺ نے اس عادت کو بند کروایا اور قاعدہ مقرر کیا کہ صبح سے پہلے کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ انس بن مالک غزوہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ: "حضور ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے"[20]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا[21]

ترجمہ: جس نے قتل کیا کسی انسان کو سوائے قصاص کے اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو۔

یعنی جو ناحق قتل کریگا اس سے کوئی خیر و عافیت، بھلائی یا رحمدلی کی امید نہیں رکھی جا سکتی، کیونکہ اس کا دل انسانیت کے احترام سے ہی خالی ہو چکا ہوتا ہے۔

نئی جنگی پالیسی:

اسلامی جنگوں کے دوران مرتب کئے گئے قوانین پر عمل پیراء ہونے سے ہی امن کا قیام لازم تھا۔ کیونکہ نبی ﷺ کے غزوات و سرایا پر نظر دوڑانے سے اندازہ ہوگا کہ آپ ﷺ دنیا کے سب سے بڑے امن پسند اور باکمال فوجی کمانڈر تھے۔ آپ ﷺ جس دور میں تشریف لائے اس سے قبل قوانین کچھ ایسے تھے:

زمانہ قبل از اسلام کے قوانین جنگ:

1: اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تو چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ انہیں آگ میں جلادیتے تھے۔

2: غفلت یا نیند کی حالت میں دفعتاً دشمن پر جاپڑتے تھے اور قتل وغارتگری شروع کردیتے تھے۔ یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا بہت سے بہادر اس خاص طریقے میں بہت ممتاز تھے اور ان کو فاتک یا فتاک کہتے تھے۔ تابط شرا اور سلیک ابن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے۔

3: زندوں کو آگ میں جلادیتے تھے۔ عرب کے ایک بادشاہ عمرو بن ہند کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کردیا تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا، چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کردیا۔ وہ لوگ بھاگ گئے، صرف حمراء نامی ایک بڑھیا بچی جسے گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈال دیا۔ اتفاقاً ایک عمار نامی سوار وہاں آنکلا عمرو نے پوچھا تو کیوں آیا؟ اس نے کہا: میں کئی دن کا بھوکا تھا۔ دھواں اٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہوگا۔ عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ میں ڈال دیا جائے، چنانچہ اسکے حکم کی تعمیل کی گئی۔

4: بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے تھے۔ داحس اور غبراء کی لڑائیوں میں قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے بطور ضمانت رکھے تھے۔ بنو ذبیان کا رئیس حذیفہ بچوں کو لے جاکر ایک وادی میں کھڑا کرتا اور ان کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرتا تھا۔ اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرتا تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز جان ماری پھر شروع ہوتی اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے۔

5: قتل کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کاٹ کر چھوڑ دیتے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا۔

6: مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا۔ مردوں کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے۔ ہند نے جنگ احد میں اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضاء کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا تھا۔

7: منت مانتے تھے کہ دشمن ہاتھ آئے گا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے۔ سلافہ کے دو بیٹے عاصم کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ اس بنا پر سلافہ نے منت مانی کہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پیئے گی۔

8: حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کرڈالتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔[22]

لیکن اس کے برعکس نبی ﷺ امن کے داعی تھے اسی لئے بہت جلد امن وامان قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان اسباب کو سب سے پہلے تبدیل کیا جن سے جنگ کے شعلے بھڑکتے تھے، لوگ دولت، ہوس، مذہبی جبر، لوٹ مار اور قتل وغارتگری عام کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے جبکہ! معاذ بن انسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کی معیت میں جہاد کے لئے نکلے تو دیکھا کہ لوگوں نے اترنے کی جگہ تنگ کررکھی ہے اور راہ گیروں کو لوٹ رہے ہیں۔ حضور ﷺ کے پاس اس کی شکایت پہنچی تو آپ ﷺ نے فوراً منادی کرادی کہ جو اترنے کی جگہ تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا اس کا کوئی جہاد نہیں ہے[23]۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان تمام باتوں کا خاتمہ کر کے مد مقابل کے دل جیت لئے۔ نبی ﷺ کی جنگی پالیسی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جنگ کا مفہوم انسان کو عدل وانصاف کے ساتھ اپنی اور اپنے

حقوق کی حفاظت ودفاع کے لئے منظم و مسلح کوشش کا نام ہے۔

نتائج بحث:

درج بالا حقائق اور منظر نامے سے ہمیں اس بات کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے کہ اسلامی جنگیں حضورﷺ کی سپہ سالاری، مضبوط حکمت عملی، انصاف پر مبنی طرح طرح کے مسائل سے دوچار مسلمانوں کیلئے حال اور مستقبل میں مشعل راہ ہے۔ اسلامی جنگوں نے انصاف، حق و صداقت اور عدالت کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے جسکی مثال آج کے ترقی یافتہ دور میں جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم سے مزین ترقی یافتہ افواج اور ملکوں کے درمیان لڑی گئی یا جاری جنگوں میں نہیں ملتی۔

اسلامی جنگوں کے بعد لڑی گئی مغربی جنگوں میں اگر کسی حد تک قاعدہ و قوانین، انسانی حقوق کی کسی حد تک پاسداری یا کچھ مثبت عسکری حربوں کی مثال ملتی ہے تو ان میں بھی اسلامی جنگوں کا ہی فیض نظر آتا ہے، ورنہ ماضی کی مغربی جنگوں میں تباہی و بربادی، قتل و غارتگری، ظلم و زیادتی، طاقت کا بول بالا اور جاہلیت کے ہی نمونے ملتے ہیں حتیٰ کہ عربوں اور دوسری اقوام کے درمیان بھی لڑی گئی ہر طرح کی اور ہر سطح کی جنگوں میں بھی جاہلیت، قوم پرستی، نسل پرستی، لسانیت اور دوسری چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہونیوالے جھگڑے بھی اسلامی جنگوں میں موجود تمام اقدار سے خالی نظر آتے ہیں، دوسرے تمام شعبہ ہائے زندگی میں بہترین راہنمائی کیساتھ ساتھ اسلام نے دشمن کے ساتھ مقابلے، خطرات سے نبرد آزما ہونے اور اپنی مضبوطی کے لئے وہ جنگی حربے اور حکمت عملیوں کا عملی نمونہ پیش کیا جو رہتی دنیا تک راہنمائی کا ذریعہ بنتا رہیگا۔ آج کے دور میں انسانی حقوق کے علمبردار جو کہ ماضی اور موجودہ دور کی جنگوں اور اس کے نقصانات پر تنقید کرتے نہیں تھکتے وہ بھی ان اسلامی جنگوں میں حضورﷺ کی قیادت میں اسلامی لشکر کی جنگی حکمت عملی اور کارنامے اور طریقہ جنگ پر انگلی نہیں اٹھا سکتے اور نہ ہی تنقید کی جرات کر سکتے ہیں۔

حوالہ جات

---

[1] وقار، منیر احمد (مولانا)، اشفاق احمد خان (پروفیسر)، عبدالقادر (پروفیسر)، پیغمبرِ امن ﷺ، مرکزی جمعیت اہل حدیث، سیالکوٹ، اپریل 2009ء، ص39

[2] حمید اللہ، محمد (ڈاکٹر)، محمد رسول ﷺ، بیکن بکس اردو بازار لاہور، ص612

[3] شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی، 1985ء، ج1، ص581

[4] نفس مصدر

[5] طبری، ابی جعفر محمد بن حریر (علامہ) تاریخ طبری، دارالاشاعت، اردو بازار ایم اے جناح روڈ، کراچی، س ن، ص127

[6] مبارک پوری صفی الرحمٰن (مولانا) الرحیق المختوم، دار الکتب السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، ص347

[7] نفس مصدر

[8] الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز لاہور کراچی، ج1، ص280

[9]نعمانی،علامہ،سیرۃ النبیﷺ،دارالاشاعت،کراچی،1985ء،ج1،ص246

[10]النساء4:80

[11]البخاری،محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ،مترجم:عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری،الجامع الصحیح،فرید بک اسٹال ۳۸اردو بازار،لاہور،ج2،ص120

[12]علی بن برہان الدین حلبی،(علامہ)ترجمہ وتشریح مولانا محمد اسلم قاسمی،غزوات النبیﷺ،دارالاشاعت،کراچی،ص51-122

[13]الانفال:15-16

[14]فضل الرحمٰن،محمدﷺ بحیثیت عسکری قائد،اسلامک پبلیکیشنز(پرائیویٹ)لمیٹڈ،لاہور،ص145

[15]بی۔اے احسان،رسولﷺ میدان جہاد میں،نگارشات پبلیشرز،لاہور،اشاعت:اکتوبر2008،ص38

[16]حمیداللہ،محمد،(ڈاکٹر)،مترجم پرویز خالد(پروفیسر)محمد رسولﷺ۔بیکن بکس،قذافی مارکیٹ اردو بازار،لاہور،2005ء،ص266

[17]نفس مصدر،ص268

[18]مبارک پوری صفی الرحمٰن(مولانا)الرحیق المختوم،دارالکتب السلفیہ،شیش محل روڈ لاہور،ص293

[19]عبدالباری ایم۔اے رسول کریمﷺ کی جنگی اسکیم،الفیصل ناشران وتاجران کتب،لاہور،1984ء،ص192-193

[20]مودودی،ابوالاعلیٰ،مولانا،الجہاد فی الاسلام،ادارہ ترجمان القرآن(پرائیویٹ)لمیٹڈ،لاہور،اشاعت بیسویں2007ء

[21]المائدہ5:32

[22]اشفاق احمد خان،پروفیسر،مقالہ پیغمبر امنﷺ،دارالسلام،ص294-295

[23]غامدی،جاوید احمد،قانون جہاد،المورد ۵۱ کے ماڈل ٹاؤن،لاہور،طبع دوم:نومبر2006ء،ص30،بحوالہ ابوداود،الحدیث2613

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.